ڈاکٹرسلیم اختر کی تنقید: تہذیب وثقافت کے سیاق وتناظر میں

Criticism of Dr. Saleem Akhtar: Cultural and Civilizational Context

ڈاکٹرنبیل احمد

Abstract

The culture of any region the world is unique in its customs, traditions, behaviour and values which bring the people sharing the same culture closer to each other and draw a distinguishing line to show differences with the other cultures. The culture depicts the non material aspects of social life of any nation while civilization reflects the material part of that society. In both culture and civilization, human is the pivotal point of the society who alongwith their companions provide the driving force to both of these social aspects. Pakistani culture is enriched with different kinds of local cultures which give birth to a central culture that exhibits the national perspective of the Pakistani society. Soon after the creation of Pakistan, different writers and critics gave attention to the discourse of culture and civilization in their writings. Dr. Saleem Akhtar is one prominent literary and critical figure among them, who vibrated his pen on the discourse of culture and civilization. In this article, the focus is on the cultural and civilizational thoughts of Dr. Saleem Akhtar. In this respect, Adab aur Culture is one of his finest books which attracted the literary, critical and cultural circles of the sub-continent. He has also explained the issues and problems in building a national culture. He gives a separate conceptual place to both culture and civilization in his writings. Metaphysics, Logic, Creativity and Psychology provide the basis in building a culture, according to him.

Key Words: Dr. Saleem Akhtar, Cultural Criticism, Civilization, Pakistani culture

پاکستان ایک ترقی پذیر معیشت ہے، جسے اُن تمام مسائل کا سامنا ہے،جن سے کوئی ترقی یافتہ ملک اپنے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے کبھی کنارا نہ کرسکا اور اِسی صورتِ حال کا انسلاک کلچر کے ساتھ بھی قائم ہے۔کلچر کی اصطلاح ایک نیوٹرل اصطلاح کے طور پر جدید معاشرے میں ہمارے سامنے ہے، اعلیٰ اور ادنیٰ کی دوڑ سے آزاد ہے، جب عالم گیر انسانی اُصولوں کی حدود میں رہتے ہُوئے، دُنیا کے کسی بھی ملک باشندے جن رہنما اُصولوں کا اپنی

زندگیوں کے لیے انتخاب کرتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اعلیٰ یا ادنیٰ جیسی اصطلاحات کا اُن کے ساتھ انسلاک کیا جائے! ہاں مگر جب نسل پرستی اور علاقائی تعصب پر مبنی خیالات کسی معاشرے میں رواج پا جاتے ہیں تو نہ صرف وہاں ایک مرکزی کلچر کا فقدان نظر آتا ہے بلکہ وہاں کی معیشت بھی بیساکھیوں کے سہارے کے بغیر نہیں چل سکتی۔مختلف علاقائی کلچرز تو کسی قوم کے مرکزی کلچر میں رنگارنگی لانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، لیکن جن معاشروں کے علاقائی کلچر کی بنیاد نسل پرستی اور علاقائی تعصب جیسی گلی سڑی نعشوں پر اُستوار کی جاتی ہے تو اُن معاشروں میں تعفن زدہ ماحول سے لوگ ایک دوسرے کو آلودہ کرتے رہتے ہیں۔قومیت کا جدید تصور مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک مخصوص جغرافیائی حدود میں رہنے والے افراد کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔قیامِ پاکستان کے بعد کئی ایک ادیبوں نے پاکستانی شناخت اور کلچر کو اپنی نگارشات کا موضوع بنایا۔اِس ضمن میں معروف پاکستانی محقق، افسانہ نگار اور نقاد ڈاکٹر سلیم کے کام کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، جن کی تحریریں کئی حوالوں سے اہمیت کی حامل ہیں۔

زیرِ نظر آرٹیکل میں اُن کے تہذیبی و ثقافتی تناظر میں لکھے گئے مضامین و مقالات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔تہذیب وثقافت کا قومی تشخص کے ساتھ تعلق اُن کی کتاب ''ادب اور کلچر'' میں نمایاں طور سے جھلکتا ہے۔اُن کے انتقادی نقطۂ نظر کے مطابق وہ عناصر و عوامل جو کسی قوم کے تشخص کے ذمہ دار ٹھہرتے ہیں، وہی عناصر و عوامل اُس قوم کے کلچر کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اِس ضمن میں اُن لوگوں کا کردار ناگزیر ہوتا ہے جو اپنے قومی تشخص کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں اور کلچر کی تشکیل میں بھی یہی لوگ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔کلچر کی ترویج میں سیاسی ماحول کو وہ بنیادی اہمیت کا حامل عنصر قرار دیتے ہیں۔برِصغیر میں انگریزوں کی نوآبادیات کا کس قدر گہرا اثر رہا ہے، اس کا اندازہ اِس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کے یہاں سے چلے جانے کے بہتّر سال بعد بھی یہاں کے لوگ اُن کی ذہنی غلامی آزاد نہیں ہو پائے۔اِسی ذہنی غلامی کے اثرات اِس پورے خطّے کے کلچر اور ذہن وفکر پر بھی نمایاں انداز سے جلوہ گر ہیں یا دکھائی دیتے ہیں۔ایسی صورتِ حال میں سیاسی قیادت یا لیڈرشپ پر بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ کلچر کی ترویج میں اپنا کردار بھرپور اور مؤثر انداز سے ادا کریں۔سیاسی قیادت یا لیڈرشپ ثقافتی تناظر میں اُس وقت حقیقت میں کامیاب ہوگی جب مقامی سطح پر لوگ اپنے قومی تشخص کو پہچاننے میں کامیاب ہوں گے۔اِس لیے ضروری ہے کہ حکمراں طبقہ اُس ذہنی وفکری غلامی سے آزاد ہوں جو انگریز کی باقیات کے طور پر ہمارے یہاں کے لوگوں نے قبول کی ہوئی ہے۔یہ خودساختہ ذہنی غلامی ہمارے ادب اور کلچر پر بھی اپنے اثرات مرتسم کر رہی ہے بلکہ کرتے ہی چلے جا رہی ہے۔پاکستان کو اِن حالات میں اپنے کلچر کی روح کو داغ دار ہونے سے بچانے کے لیے نہ صرف ضروری اور ٹھوس اقدامات کرنے ہوں گے بلکہ اپنی معیشت کی کامیاب بحالی کے لیے بھی مناسب اقدامات پر عمل پیرا ہو کر ادیبوں اور تخلیق کاروں کے لیے بھی مناسب صورتِ حال تخلیق کرنے پر بھرپور توجہ صرف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔کلچر کی روح کو داغ دار ہونے سے بچانے کا مطلب ہرگز یہ نہ لیا جائے کہ کلچر کوئی قائم بالذات شے ہے، کلچر تو ایک متحرک اور ارتقائی عمل سے شناسا عملِ مسلسل کا نام ہے جو معاشرے کی سماجی روح کی

آئینہ داری سے تعبیر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر 11 مارچ 1934ء کو پیدا ہوئے۔ان کا شمار اُردو زبان وادب کی ممتاز ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔وہ متعدد جہات کے حامل نقاد، محقق اور فکشن رائٹر ہیں۔اُردو میں نفسیاتی نقاد کے طور سے ان کی ایک مخصوص ومنفرد پہچان سامنے کا مظہر ہے۔اُنھوں نے متعدد تنقیدی تصانیف حوالۂ قلم کیں۔ان کی باکمال تخلیقی وتنقیدی شخصیت کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے تہذیب وثقافت کی صورت حال کا بالغ نظری اور عمق کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔ان کی ناقدانہ بصیرت میں عمیق نظری اس لیے بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ چوں کہ انھوں نے دنیا کے متعدد ممالک کے اسفار کیے اور وہاں کی تہذیبی وثقافتی صورتِ حال اور معاشرتی زندگی کو نہایت گہرائی اور گیرائی سے اپنی بصیرت کا حصہ بنایا ہے۔وہ مظاہر کے بطن میں اترنے کا ملکہ اس لیے بھی رکھتے ہیں کہ وہ نہایت وسیع المطالعہ محقق ونقاد اور تخلیق کار ہیں۔وہ اشیا ومظاہر کا نہایت عمدگی سے نفسیاتی تجزیہ کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اُن کے نفسیاتی تجزیوں کے پسِ پردہ سگمنڈ فرائڈ کے مطالعات کی کارفرمائی کو ہی عمل دخل تھا۔انھوں نے امریکہ، ڈنمارک، ماریشس، دوبئ،قطر، چین اور ہندوستان جیسے ممالک کے اسفار کیے تھے اور وہاں کی تہذیبی وثقافتی اور معاشرتی زندگی کو جس قدر قریب سے دیکھا تھا۔اس کا اندازہ ان کی متعدد عالمانہ تحریروں سے لگایا جا سکتا ہے۔ان کے افسانوی ادب سے بھی ان کی عالمانہ شخصیت کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔وہ ادق سے ادق مسائل کو نہایت سہولت کے ساتھ اپنی تحریروں میں پیش کرنے والے نقاد کے طور سے نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ان کی خاص طور سے ایک عطا یہ بھی ہے کہ انھوں نے اُردو دنیا کو نفسیاتی تنقید کی فہم عطا کرنے کے لیے نہایت عام فہم پیرائے میں متعدد مضامین اور کتب حوالۂ قلم کیں۔

ان کی متعدد جہات میں سے نفسیاتی نقاد، ممتاز ماہر لسانیات کے ساتھ ساتھ ماہر اقبالیات کی بھی ہے۔ان کی تحریروں اور اُسلوب کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ان کے تخلیقی وژن اور تحریروں میں ذکاوت کا پہلو خاص طور سے توجہ طلب ہے۔وہ تہذیب وثقافت جیسے ادق اور پیچیدہ مباحث کو آسان بنا کر پیش کرنے کا ملکہ رکھتے تھے۔انھوں نے کلچر کی مذکورہ پیچیدگیوں اور گتھیوں کو سُلجھانے کے ضمن میں اپنے قارئین کی اپنے کام کے ذریعے رہنمائی بھی کی۔یہ سب ان کی عالمانہ نظر، وژن کی گہرائی وگیرائی اور ادراک میں وسعت کے سبب ہی ممکن تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانی کلچر اور پاکستان کے تشخص کے کارن جہاں محمد حسن عسکری، پروفیسر کرّار حسین، فیض احمد فیض، پروفیسر ممتاز حسین اور ڈاکٹر جمیل جالبی جیسے ناقدین نے مذکورہ مباحث پر قلم اٹھایا تو ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی مذکورہ مباحث کی تفہیم کو ضروری خیال کیا۔انھوں نے پاکستانی کلچر کی صورت حال پر بسیط مقالات حوالۂ قلم کیے جو ان کی تصنیف،ادب اور کلچر، میں یکجا صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔اس تناظر میں دیکھا جائے تو اُنھوں نے ہمیشہ دیانت اور فکر وعمل کا ثبوت دیا، جس کا اندازہ ان کی تحریروں سے لگایا جا سکتا ہے۔انھوں نے اپنی تحریروں میں پیچیدہ قضیوں کو استدلال ومنطق سے سُلجھانے کی کامیابی کے سعی کی۔وہ ایک نہایت سنجیدہ نقاد کی حیثیت سے اپنے کام کو پیش کرنے والے ناقدین میں اہمیت کے حامل ہیں۔انھوں نے تہذیب وثقافت کے مباحث کو سماجی اور

ادبی سیاق وتناظر میں منطقی طور پر مربوط انداز سے نہ صرف پیش کیا ہے بلکہ وہ ان کے نتائج بھی کماحقہ دلائل و براہین کے ساتھ منصۂ شہود پر لائے ہیں۔

تہذیب وثقافت کی اصطلاحات کے ساتھ تمدن کی اصطلاح بھی اُردو میں بیش تر ناقدین نے استعمال کی ہے۔ مذکورہ اصطلاحات کو اُردو میں Interchangeably استعمال کیا گیا ہے یا کیا جا تا رہا ہے اور مذکورہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنے ایک مضمون بعنوان ''پاکستانی کلچر کا مسئلہ''، مشمولہ ''ادب اور کلچر'' میں اس امر کی طرف توجہ یوں دلائی ہے:

> ''ویسے کلچر کے مفہوم میں ثقافت یا تمدن کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔کوئی انھیں درست کہتا ہے تو کوئی غلط! ثقافت اپنے محدود معنی میں فنون لطیفہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے، لیکن جب اس کے معانی میں وسعت پیدا کردیں تو یہ زندگی کی کئی جہات پر حاوی ہو کر اس ذہنی ارتقا اور فکری ارتفاع کا مظہر بن جاتا ہے جو کسی قوم میں مختلف تاریخی ادوار میں متنوع انداز سے جلوہ نما ہوتے رہتے ہیں جب کہ اس کے برعکس تمدن بالعموم طرزِ بود و باش وغیرہ کے لیے آتا ہے، شاید اسی لیے ہمارے یہاں متمدن اور مہذب ملتے جلتے معانی میں استعمال کیے جاتے ہیں''۔(۱)

انسانی زندگی کے غیر حیاتیاتی یا سماجی پہلوؤں کا تعلق براہِ راست کلچر کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور یہیں سے مختلف گروہ ایک دوسرے سے ممتاز ٹھہرتے ہیں۔ ان کی بنیاد اُن عقائد وتصورات اور اخلاقیات پر اُستوار ہوتی ہے جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر مخصوص طرزِ زندگی کو جنم دیتے ہیں۔ وہ تمام انسانی سرگرمیاں جن کا تعلق معاشرتی معاملات اور اُمور سے ہے، جن میں روایات واقدار، علوم وفنون، رسوم و رواج، عادات و مشاغل، زبان وادب، مذہب و فلسفہ، تاریخ، سیاست اور معیشت وغیرہ شامل ہیں، مذکورہ تمام عناصر وعوامل اور مظاہر کلچر کے اہم اجزا کا درجہ رکھتے ہیں۔ کلچر کی اصطلاح میں اگر تہذیب وثقافت دونوں کو یکجا کر دیا جائے تو یہ انسانی زندگی کے داخلی اور خارجی تمام معاملات اور اُمور کا احاطہ کرتی ہیں۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی اپنے ایک مضمون ''کلچر کیا ہے؟'' مشمولہ ''پاکستانی کلچر''میں کُچھ اِس طرح لکھتے ہیں:

> ''کلچر اُس کُل کا نام ہے جس میں مذہب وعقائد، علوم اور اخلاقیات، معاملات اور معاشرت، فنون وہنر، رسم ورواج، افعالِ ارادی اور قانون، صرفِ اوقات اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جن کا انسان، معاشرے کے ایک رُکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے اور جن کے برتنے سے معاشرے کے متضاد و مختلف افراد اور طبقوں میں اشتراک ومماثلت، وحدت اور یک جہتی پیدا ہو جاتی ہے، جن کے ذریعے انسان کو وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ کلچر میں

زندگی کے مختلف مشاغل، ہُنر اور علوم وفنون کو اس اعلیٰ درجے پر پہچانا، بُری چیزوں کی اصلاح کرنا، تنگ نظری اور تعصب کو دُور کرنا، غیرت وخودداری، ایثار ووفاداری پیدا کرنا، معاشرت میں حسن و لطافت، اخلاق میں تہذیب، عادات میں شائستگی، لب و لہجہ میں نرمی، اپنی چیزوں، روایات اور تاریخ کو عزت اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنا اور اُن کو بلندی پر لے جانا بھی شامل ہے''۔(۲)

ڈاکٹر سلیم اختر کے نزدیک کلچر ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے مفاہیم وسعت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ متنوع ابعاد کے بھی حامل ہیں اور مذکورہ اصطلاح کا تعلق ذہن وفکر اور انسانی داخلی صورت حال سے ہے۔ کلچر کی اصطلاح میں قوموں کی تاریخ، ذہن وفکر تمام عناصر وعوامل اور مظاہر شامل ہیں۔ اُن کے نزدیک کلچر درحقیقت سوسائٹی کی اہم تخلیق ہے اور سوسائٹی کے مختلف افراد اور مختلف طبقات اپنے کلچر کی نمایندگی کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ کلچر کے مختلف تفاعل، متعدد جہات اور پہلو ہیں جو کسی بھی سوسائٹی کی آئینہ داری کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ کلچر یا سوسائٹی کے اندر ایجوکیشن (تعلیم) کا بھی ایک اہم تفاعل ہے۔ تعلیم کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ اس کے ذریعے ثقافتی ورثے کا تحفظ سماجی اقدار کا فروغ اور منتقلی کا عمل کسی بھی سوسائٹی کے اندر جاری وساری رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی زندگی کی تشکیلِ نو کا عمل بھی تسلسل کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ اس طرح ضروریات پورا کرنے کے تفاعل میں کسی کلچر یا سوسائٹی کے اہم ترین وظائف کا شامل ہیں۔ جہاں تک کلچر کی تشکیل کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں معاشرے کی جغرافیائی حدود، تاریخ، معاشی اور سیاسی حالات نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ کلچر کی تشکیل کے تناظر میں ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

''کلچر کی تشکیل میں کئی عوامل محرکات کے عمل اور ردِعمل کی سی کیفیات ملتی ہیں۔ مذہب، قومی فخر و ناز، جغرافیائی حالات اور مخصوص ادوار کے اقتصادی حالات اور سیاسی کوائف۔ یہ ہیں، وہ چند اہم ترین اور بنیادی عوامل جو عوامی شعور کو بتدریج اور آہستہ آہستہ متاثر کرتے ہوئے، قومی کلچر کی تشکیل بلکہ زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ تشکیلِ جدید میں اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں۔''(۳)

کلچر کا تعلق بنیادی طور پر فکر وتخیل کے ساتھ ہے جو اُن تصورات کو جنم دیتے ہیں جن کی بنیاد پر افراد اپنی زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر معاشرتی زندگی ڈھانچہ ایک وحدت میں متشکل ہوتا ہے۔ دوسری جانب سویلائزیشن کا تعلق ٹھوس اشیا کے ساتھ ہوتا ہے، جس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ تہذیب وثقافت کے اِسی پہلو پر اظہارِ رائے کرتے ہوئے ڈاکٹر شمیم حنفی انسانی وحدت اور معاشرتی زندگی کی وحدت کے مطالعہ کو تہذیب وثقافت کے مطالعہ کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں، اِس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

''ثقافت اور تہذیب کا مطالعہ، بنیادی طور پر انسانی ہستی کی وحدت اور اُس کی معاشرتی زندگی کی

وحدت کا مطالعہ ہے۔اُس وحدت کی تعمیر کسی تہذیب کے ٹھوس اور مشہود(Concrete) عناصر کے ساتھ ساتھ اُس کے ذہنی اور تجریدی عناصر، دونوں کے واسطے سے ہوتی ہے۔''(۴)

دُنیا کے کسی بھی معاشرے کے لیے معاشی اور معاشرتی عدل وانصاف کے ادارے افراد کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں اہم اور بھرپور کردار ادا کرتے ہیں، جس سے قومی تشخص کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔دُنیا میں اِس وقت تین چیزوں کے ناخالص ہونے پر یقین کیا جا سکتا ہے، جن میں نسل، زبان اور کلچر شامل ہیں، یعنی دُنیا کے کسی بھی خطے سے متعلق خالص النسل، خالص اللسان اور خالص الثقافت جیسے تصورات ختم ہو چکے ہیں جو ارتقا کے عمل کی رنگارنگی، تنوع کا خوب صورت نتیجہ ہے۔دُنیا اِس وقت مختلف ممالک کی جغرافیائی حدود میں مقید ہے اور ہر ملک اپنی مزید جغرافیائی، لسانی، تہذیبی اور ثقافتی اکائیوں کو پیوست کیے ہوئے ہے۔اب یہ مختلف اکائیاں کس حد تک ایک دوسرے میں پیوست نظر آتی ہیں، اِس کے لیے قومیت جیسی اصطلاح کا ظہورِ عمل میں آیا ہے، جس نے اپنی جدید شکل میں مذہب کو بنیاد بنانے کی بجائے جغرافیائی حدود کو بنیاد بنایا اور اِس کے نتیجے میں خاص جغرافیائی حد میں رہنے والے لوگوں کے مابین قومی یکجہتی اور قومی تشخص جیسے رُجحانات بیدار ہوئے ہیں۔زبان اور کلچر میں اختلاف ہونے کے باوجود جس تصور نے لوگوں کو اکٹھے رکھنا ہے یا یکجا رکھنا ہے، وہ قومی تشخص ہی ہے۔انتظار حسین قومی تشخص کے مسئلے کو تہذیبی شناخت کے مسئلے کے ساتھ جوڑتے ہیں۔اِس ضمن میں اُن کا نقطۂ نظر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

''قومیں جن حوالوں سے پہچانی جاتی ہیں، وہ بڑی حد تک وہ ہوتے ہیں، جن سے ثقافت کو یا تہذیب کو عبارت کیا جاتا ہے۔ اس لیے میری دانست میں تو قومی تشخص کا مسئلہ بڑی حد تک تہذیبی شناخت کا مسئلہ ہے۔''(۵)

ڈاکٹر سلیم اختر کی تنقیدی بصیرت اور ثقافتی نظریات کی روشنی میں اس امر کی وضاحت نہایت عمدگی اور استدلال واستنباط کے ساتھ ہوتی ہے کہ کلچر کوئی جامد وساقط عنصر نہیں ہے بلکہ کلچر تو تحرک سے عبارت ہے۔کلچر ہی کے تفاعل میں یہ عنصر شامل ہے کہ کسی بھی سوسائٹی میں ایجوکیشن جو کلچر کا ایک اہم ترین عنصر ہے، ایجوکیشن کے ذریعے الفاظ کے مفاہیم بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں، اخلاقی وروحانی اقدار میں بھی ترفع پیدا ہوتا رہتا ہے۔اس طرح زبان جو کلچر کا ایک اہم ترین عنصر ہے اور جو وسیلۂ اظہار بھی ہے، اس میں بھی تحرک کا عنصر کلچر ہی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے جو کسی بھی مخصوص تناظر کے ساتھ مفاہیم اور تعبیر وتجزیات کو نئی صورتِ حال اور نئے سیاق وتناظر سے ہم کنار کرتا رہتا ہے۔اس طرح کسی بھی کلچر کے اندر زبان جو ادب کی تخلیق اور سوسائٹی میں اظہار کا اہم ترین وسیلہ ہے، اس میں نئے الفاظ جنم لیتے رہتے ہیں اور جو الفاظ سوسائٹی کے زیرِ استعمال نہیں رہتے وہ متروکات کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔
اس طرح بذریعہ تعلیم (وہ زبان وادب کی تعلیم ہو یا پھر سماجی سائنسوں اور طبعی سائنسوں یا ٹیکنالوجی کی تعلیم ہو) کلچر یا سوسائٹی میں سماجی زندگی کی تشکیلِ نو کا عمل جاری وساری رہتا ہے اور سماجی زندگی ہر سطح پر تحرک کے عمل سے عبارت رہتی ہے۔اگر کوئی کلچر اپنے نظامِ تعلیم کے ذریعے اپنے ثقافتی ورثے کے تحفظ اور منتقلی کا فریضہ سرانجام نہیں دیتا تو پھر

بیرونی کلچر یلغار کرتے ہیں اور کمزور ثقافتوں کی داخلی یا اندرونی ہیئت کو تبدیلی کے عمل سے دوچار کرنے کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں جو کسی بھی قوم یا خطے کے لوگوں کے ذہن و فکر کو دو چار نسلوں کے بعد اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے یا پھر بدل کے رکھ دیتا ہے۔

درحقیقت معاشرہ ہی کلچر کو تخلیق کرتا ہے اور پھر کلچر ایک سطح پر پہنچ کر اسی سوسائٹی اور اس کے اندر موجود مختلف طبقات کی تمام تر صورت حال کی ترجمانی کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

جہاں تک کلچر کا معاملہ اور قومی تشخص کی بات ہے تو دونوں ایک دوسرے کو نکھارنے اور ایک دوسرے میں ترفع پیدا کرنے میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے کلچر اور قومی تشخص کے ضمن میں بات کرتے ہوئے قومی تشخص کو کلچر کی بنیاد قرار دیا ہے، اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''دراصل وطنیت اور قومیت کی مانند کلچر کا احساس قومی تشخص کے سرچشمہ سے پھوٹتا ہے اور اسی لیے یہ قوم کی دلی اُمنگوں اور آرزوؤں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ وہ قوم جو اقوامِ عالم میں انفرادیت منوانے کی خواہاں ہو، وہ قوم جسے بہ حیثیت قوم اپنے ملک پر ناز ہو اور وہ قوم جو دُنیا میں مخصوص قسم کا قومی شعار اپنانا چاہتی ہو، صرف وہی قوم اپنے لیے، اپنا، کلچر تشکیل کر سکتی ہے۔ کلچر محض حال کا گریز پا لمحہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ماضی کے تہ در تہ تجربات کا امین ہونے کی بنا پر مستقبل کے لیے سمت نما کا رُوپ بھی اختیار کر لیتا ہے۔''(۶)

کلچر کی ترویج اور فروغ کے لیے قومیت کے عناصر وعوامل کی ترویج ناگزیر ہے۔ قومیت کے رُجحان کی اہمیت اُس صورت میں مزید فزوں تر ہو جاتی ہے جب ایک ملک مختلف علاقائی کلچرز میں منقسم ہوا ہو۔ قومی کلچر کے فروغ کے لیے علاقائی زبانوں اور کلچرز کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر عبادت بریلوی اِس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> ''علاقائی زبانیں اور ثقافتیں ملکی اور قومی ثقافت کو سہارا دیتی ہیں اور ان کے فروغ کا باعث بنتی ہیں، اِس لیے ان کو نظر انداز کرنا بھی نادانی ہے۔''(۷)

قومیت کے اسی جدید تصور کی بدولت فیڈریشن کا تصور جدید سیاسی نظام مختلف ممالک میں کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ کلچر یہاں ایک متحرک عنصر کی حیثیت سے سامنے آتا ہے جو اقوام کی سماجی زندگی میں نکھار پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مابین ایک پُل کا کام بھی سرانجام دیتا ہے، جس کی تزئین وآرایش وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔ کلچر کی زندگی مختلف اور متنوع رنگوں سے مزین ہوتی ہے جو مسلسل حرکت پذیری سے فطری نشوونما پاتی ہے۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی کے خیال کے مطابق قوم پرستی اور کلچر ایک دوسرے کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> قوم پرستی سے نہ صرف کلچر آگے بڑھتا ہے، قومی خدوخال گہرے ہوتے ہیں بلکہ رفتار میں بھی اضافہ

ہوتا ہے اورصحت مند تبدیلی کو سینے سے لگا کر وہ کرب مٹ جاتا ہے جو ہمیں آپا دھاپی میں اپنے تہذیبی ورثے گنوا کر لاحق ہو جاتا ہے۔ نجات کا واحد راستہ حرکت اور جُستجو میں پنہاں نظر آتا ہے۔''(۸)

ڈاکٹر سلیم اختر نے کلچر کے ضمن میں نہایت بنیادی بات حوالۂ قلم کی ہے کہ کلچر کے متشکل ہونے میں متعدد عناصر وعوامل اور مظاہر کار فرما ہوتے ہیں اور خاص طور سے، کلچر قومی تشخص کے سر چشمہ ہی سے پھوٹتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کلچر کسی بھی قوم کی آرزوؤں، دلی امنگوں اور آدرشوں کا ترجمان اور آئینہ دار ہوتا ہے۔ اُنھوں نے جس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ امر درحقیقت کسی بھی سوسائٹی کے انسانوں کی داخلی وفکری یا ذہنی صورت حال کی آئینہ داری کرتا ہے۔ کلچر درحقیقت جن عناصر وعوامل اور مظاہر سے متشکل ہوتا ہے، اُن میں داخلی وفکری یا ذہنی صورت حال خاص طور سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ کلچر کے عناصر ترکیبی میں زبان، کسی بھی ملک کا جُغرافیہ، مذہب، معتقدات، تاریخ، فنون لطیفہ (آرٹ)، ادبیات، فکر وفلسفہ کو بنیادی مقام ومرتبہ حاصل ہے۔ کلچر میں لین دین کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔ اسی طرح کلچر کے اندر اقدار، روایات، رسومیات، فنون لطیفہ، اعتقادات، نفسیاتی عناصر وعوامل، زبان و ادب وغیرہ بھی تحریک کے عمل کو جاری وساری رکھتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی کلچر پر مذہب کے اثرات کا بھی اپنا ایک عمل دخل دیکھنے کو ملتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جغرافیہ اور تاریخ کے تفاعل سے بھی مفر ممکن نہیں۔ اس طرح ہر کلچر بیرونی عناصر وعوامل سے بھی اثرات کشید کرتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے اس امر کی طرف نہایت اختصار سے اشارہ کیا ہے کہ کلچر ماضی کے عمیق اور تہ در تہ تجربات کی منتقلی کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے۔ درحقیقت کسی بھی ملک کا کلچر اس قوم کے قومی شعار سے تشکیل ہوتا ہے اور اس قوم کے مستقبل کی راہوں کا درست سمت اور واضح انداز سے تعین بھی کرتا ہے۔ اسی طرح کلچر میں جذب وانجذاب کا عمل بھی جاری وساری رہتا ہے جو سماجی زندگی کو قوس قزح کے رنگ عطا کرنے کے ساتھ ایک منفرد تشخص بھی عطا کرتا ہے جو کسی بھی قوم کی آئینہ داری اور ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے پاکستانی کلچر کے ضمن میں بالکل درست لکھا ہے جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ پاکستان میں مختلف ثقافتیں دیکھنے کو ملتی ہیں جو درحقیقت مختلف رنگوں سے عبارت ہونے کے ساتھ ساتھ بوقلمونی کی کیفیت سے مالا مال ہیں۔ ویسے بھی کلچر میں خالص پن کے عنصر کا نہ ہونا ایسے ہی ہے جیسے کسی نسل کا خالص نہ ہونا ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ تاریخ کے کئی موڑ، کئی دھارے اپنے بطن میں نیا فلسفہ، نئی ٹیکنالوجی، نئے میلانات ورُجحانات لے کر آتے رہتے ہیں جس سے کلچر یا سوسائٹی کی صورت حال میں تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ باوجود اس سب کے جغرافیائی صورت حال کے نہ بدلنے کی صورت حال، آب و ہوا، جنگل، پہاڑ، میدان، طور طریقے، لباس، تہوار، میلے ٹھیلے وغیرہ مذکورہ تمام عناصر وعوامل اور مظاہر کلچر پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر ایسا وقت بھی آتا ہے جب کلچر مذکورہ تمام عناصر وعوامل اور مظاہر کا ترجمان اور آئینہ دار بن کر اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے کو جاری وساری رکھتا ہے۔ اسی طرح کلچر کے انسانوں کی مجموعی صورت حال کی عکاسی مخصوص کلچر یا ثقافتوں

کے ذریعے ہوتی ہے اور کسی بھی کلچر میں انسانی اقدار جو کسی جماعت یا گروہ کا تشخص ہوتی ہیں۔ وہ اپنی معروضی صورت حال کو واضح شکل اور پہچان عطا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی سوسائٹی کے افراد کے جذبات، میلانات و رُجحانات اور احساسات اور طور طریقوں اور اثرات و نتائج کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ مذکورہ عناصر و عوامل کسی بھی معاشرے کے کلچر کی صورت میں مادی زندگی کی صورت حال پر بھی اپنے نمایاں طور سے اُجاگر کرتے ہیں۔ اس طرح کسی بھی گروہ کے داخلی و فکری یا ذہنی صورت حال کی آئینہ داری یا عکاسی کرتا ہے۔ پاکستانی کلچر کے تناظر کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر نے پاکستانی سوسائٹی اور یہاں کے کلچر اور ذہن و فکر میں مذہب اور مابعد الطبیعیات اور تصوف ایسے عناصر پر بھی استدلال و استنباط سے تحریر کیا ہے کہ مذکورہ عناصر پاکستانی معاشرے کے افراد کی زندگی پر کس طرح دُوررس اثرات مرتب کرتے رہے ہیں اور عاشق کس طرح خدا سے قُرب و وصل کے مراحل طے کرتا ہے اور کس انداز سے پیری مریدی کا سلسلہ افرادِ معاشرہ کی نفسیاتی صورت حال کو کنٹرول کرتا ہے اور افرادِ معاشرہ کو اوہام ایسی فرسودہ لایعنی روایات کا اسیر بناتا ہے۔ اس طرح انھوں نے کلچر میں مذہب کی غیر اسلامی تعبیرات کو پیش کیا ہے اور مذہب کی غیر اسلامی صورت حال کو پاکستانی سوسائٹی کے ایک مخصوص طبقے کے ذہن و فکر کے ذریعے اجاگر کیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے جس صورت حال کے پیش نظر، پاکستانی کلچر، کے نمایاں خدوخال اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ درحقیقت پاکستانی سوسائٹی کی وہ آئیڈیالوجی ہے جس کے زیر اثر فیڈریشن کا تصور کمزور پڑتا ہے، جس سے پاکستانی کلچر درحقیقت علاقائی صورت حال کو جنم دیتا ہے نہ کہ قومی سطح پر قومی صورت حال کی نمایندگی کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''آج ہمارے ہاں قومیت، صوبائی عصبیت، علاقائی تنگ نظری اور نفرت و حقارت کا دوسرا نام ہے۔ یہی احساس تھا جس نے بنگلہ دیش کو جنم دیا اور اسی احساس کے تحت اب چار قومیتوں کا تصور حساس اذہان کے لیے کابوس بن چکا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستانیت کے نقطۂ نظر سے چاروں صوبوں میں افہام و تفہیم پیدا کی جائے۔ یہ کام سیاست دانوں کی تقریروں سے تو ممکن نہیں، البتہ کلچر کی سطح پر ممکن ہوسکتا ہے۔ اگر امریکہ میں مختلف النوع کلچرز کی آمیزش سے کلچر کا ایک نیا انداز جنم لے سکتا ہے تو ہمارے ہاں کیا چاروں صوبوں کے کلچر کے ملاپ سے نیا پاکستانی کلچر صورت پذیر نہیں ہوسکتا؟ اس طرح جنم لینے والا کلچر یک رنگ نہ ہوگا بلکہ گلدستہ کی مانند بوقلمونی کی اساسی صفت قرار پائے گا۔ گلدستہ کے اجزا الگ کردیں تو باقی محض پھول رہ جاتے ہیں، لیکن ان میں حُسنِ ترتیب سے جو گلدستہ بنتا ہے، وہ دیدہ زیب ثابت ہوتا ہے۔''(۹)

مذکورہ افکار سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر سلیم اختر پاکستانی کلچر کی تشکیل کے خواہاں ہیں اور مزید یہ کہ وہ علاقائی تعصّبات اور نفرت و حقارت کے شدید مخالف ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ بنگلہ دیش جیسی صورت حال پھر سے پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امریکہ کے فیڈریشن کے تصور کو ایک بہتر مثال کے طور سے پیش کرتے ہیں اور وہاں

کے کلچرز کی بوقلمونی اور رنگارنگی کو امریکی کلچر کی صورت میں کلیت اور مربوطیت میں نہ صرف دیکھتے ہیں بلکہ سراہتے بھی ہیں اور اسی طرح پاکستانی کلچر کی مربوطیت، بوقلمونی اور رنگارنگی کے بھی قائل ہیں، جہاں نفرتوں کے بجائے محبتیں ہی محبتیں ہوں، ظاہر ہے کہ محبت ایک لحاظ سے وحدت پیدا کرنے کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے ''پاکستانی کلچر''، پر قلم اُٹھایا اور اُنھوں نے تاریخی، جغرافیائی اور سماجی صورت حال کے ساتھ ساتھ دیگر ثقافتوں کی مجموعی صورتِ حال کے تقابلی مطالعات بھی کیے ہیں، بالخصوص امریکی کلچر کی مجموعی صورتِ حال کو بھی ملحوظ نظر رکھا ہے۔ مذکورہ امر اُن کی وسعتِ نظری اور وسعت مطالعہ ومشاہدہ اور تجربات کی تہ داری کا بین ثبوت ہے۔ انھوں نے تاریخی وجغرافیائی تناظر میں بھی برصغیر کی سماجی وثقافتی صورتِ حال کو آئینہ کیا ہے۔ انھوں نے دراوڑ کلچر اور اس کے بعد آریائی کلچر کی آمیزش کا بھی تجزیہ کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ یہاں بھی اُن کے قلم کی دیانت اور فکر وعمل میں ان کی عالمانہ بصیرت وادراک اور روژن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی باور کروایا کہ فاتحین کا کلچر ہی مفتوحین پر اپنے اثرات مرتب نہیں کرتا بلکہ مفتوحین کا کلچر بھی فاتحین کے ذہن وفکر اور کلچر پر اپنے دُوررس نقوش چھوڑتا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے دراوڑ کلچر کے اثرات کا آریائی کلچر کے حوالے سے تجزیہ بھی پیش کیا ہے کہ دراوڑ زبان کے متعدد الفاظ آریاؤں کی زبان میں بھی راہ پاگئے۔ اس طرح ان کا نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ دو اقوام کے اذہان وافکار کے اختلاط واتصال سے ایک نئے کلچر نے جنم لیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''خود آریہ بھی صحیح معنوں میں، ہندوستانی، بن گئے تو مسلمان وارد ہوئے۔ گو ابتدا میں یہ بھی الگ تھلگ رہے، لیکن اکبر نے پہلی مرتبہ اس بندھن کو توڑنے کی کوشش کی اور یوں مسلمان بھی، ہندوستانی، بن کر رہنے لگے۔ مسلمان حکمرانوں کے زیر اثر اور درباداری کے تقاضوں کی بنا پر پہلے ہندو درباریوں نے اور بعد ازاں عام آبادی نے بھی مسلمانوں کے لباس وغیرہ کو اپنا لیا، لیکن فلسفہ، فنونِ لطیفہ، علوم اور فنون وغیرہ کی صورت میں خود مسلمان بھی ہندوؤں سے بہت کچھ سیکھ رہے تھے۔ یوں دونوں قوموں کے اس تہذیبی سنگم سے ہندایرانی کلچر نے جنم لیا، جس کی علامت کلس میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ کلس ہندوؤں کے مندروں کا نشان تھا مگر مسلمانوں کی مسجدوں اور مقبروں کے گنبدوں پر جگمگایا۔ عام زندگی میں ملبوسات، تو ہمات اور مذہب کے زمینی پہلوؤں کی صورت میں اس کلچر کی کارروائیوں کا آج بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے''۔(۱۰)

ڈاکٹر سلیم اختر نے درحقیقت تاریخی، نفسیاتی اور جغرافیائی صورتِ حال کے پیشِ نظر دراوڑ اور آریائی کلچرز کے ملاپ سے نئے کلچر کے جنم اور پھر بعد میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ایک نئے کلچر کے جنم کے تصور کو پیش کیا ہے جو بیرونی عناصر وعوامل اور اندرونی وداخلی ذہن وفکر کی آمیزش سے لین دین اور سماجی سطح پر تعاملات وارتباط کے نتیجے میں پیدا ہوا اور بنیادی عنصر تاریخ، انسانی نفسیات، ثقافتی بشریات اور فنونِ لطیفہ کے ساتھ ساتھ جغرافیائی صورتِ حال کو ہی قرار دیتے ہیں کہ جس کے سبب تمام بیرونی اور اندرونی عناصر وعوامل ایک دوسرے سے ہم آہنگی اختیار کرنے لگے

اور آخرِ کار ہندوستان کی بو باس، آب و ہوا میں رچ بس گئے اور یہ رچاؤ ان کی سماجی زندگی اور اس کے اطوار اور سبھاؤں میں بھی ہندوستانیت کی صورت میں نمودار ہو کر ایک ایسے کلچر کو جنم دیتا ہے جسے ڈاکٹر سلیم اختر ''ہند ایرانی کلچر'' کا نام دیتے ہیں۔ مزید یہ کہ انھوں نے اکبر کے دور کو ہندوستانی کلچر میں نہایت اہمیت کا حامل قرار دیا ہے جس میں لباس کی سطح پر ہندوؤں نے مسلمانوں سے اثرات قبول کیے اور دوسری سطح پر مسلمانوں نے فلسفہ، فنون کے حوالے سے، بعض سطحوں پر فنِ تعمیر کے حوالے سے بھی مقامی لوگوں سے اکتساب کے سلسلے کو جاری رکھا۔ ڈاکٹر سلیم اختر سماجی زندگی کے امتزاج سے جنم لینے والی صورتِ حال میں تمام عناصر و عوامل اور مظاہر کا جائزہ لیتے ہیں اور تہذیبی یا خارجی سطح پر لین دین کے سلسلے کو جاری رکھا۔ اس ضمن میں وہ ''کلس'' کی مثال کو نمایاں انداز سے پیش کرتے ہیں کہ ہندو سماج سے ''کلس'' کس طرح مسلمانوں کی مساجد کے میناروں کی زینت بنا اور کس طرح کلچر میں ہم آہنگی، رنگا رنگی اور بوقلمونی کا عمل ایک نئے انداز اور نئی صورتِ حال میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ انھوں نے عام زندگی میں ذہنی و فکری سطح پر لین دین کے عمل کو کس طرح جاری و ساری رکھا ہوا ہے۔ اس کی طرف ملبوسات سے لے کر مذہب، اعتقادات اور توہمات تک کی صورتِ حال کو آئینہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے بعض تصورات سے کسی حد تک اختلاف کی بھی صورت نکلتی ہے، وہ اس طرح کہ ثقافتی بشریات میں ہزاروں برسوں پر مبنی زندگی میں لین دین کا عمل تسلسل کے ساتھ رہتا ہے، لہٰذا قطعی طور پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ کس قوم نے دوسری سے ماضی میں کس کس سطح پر کیا کیا کسبِ فیض کیا۔ ظاہر ہے کہ گیان کے سرحدیں تو ہوتی نہیں ہیں۔ مغلوں کی سلطنت کے بعد سامراجی نو آبادیاتی صورتِ حال سے برصغیر کے لوگوں کا سابقہ پڑا۔

کلچر اور سیاست کا آپسی تعلق خاصا اہم اور نازک ہے۔ سیاست کا بنیادی تعلق کسی مخصوص ملک کے اُن اُمور و معاملات اور سرگرمیوں کے ساتھ ہوتا ہے جن کی بدولت لوگ طاقت اور اختیارات حاصل کرتے ہیں۔ یہی طاقت اور اختیار لوگوں کو وہ بنیاد فراہم کرتے ہیں جس کی بدولت کسی ملک پر حکمرانی کی جاتی ہے اور اُس ملک کی عوام کو وحدت کے رشتے میں منسلک کیا جاتا ہے۔ دوسری جانب کلچر کسی معاشرے کی مجموعی سوچ کی عکاسی کرتا ہے جس کی عمارت اُس معاشرے کے افراد کے تصورات، خیالات، عادات و اطوار، اقدار، رویوں الغرض ہر سماجی پہلو پر بنیاد اُستوار کرتی ہے۔ تہذیبی و ثقافتی اعتبار سے معاشرے کی حرکت پذیری جو سیاسی ماحول پر اثر انداز ہوتی ہے، یہیں سے معاشرے میں غالب اور مغلوب، طاقت ور اور کمزور، مزاحمت اور بغاوت وغیرہ جیسی آوازوں کا ظہور ہوتا ہے۔ معاشرہ جس قدر ناہموار ہوگا، اُسی قدر اُس کے کلچر میں افراد کو آپس میں جوڑنے کی صلاحیت کم ہوگی، جہاں تک بات پاکستانی معاشرے کی ہے تو یہ مختلف طبقات میں منقسم معاشی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے ناہموار معاشرے کی نمایاں مثال پیش کرتا ہوا ایک سماج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کلچرل پاکٹس یا کلچرل ببلز کا رُجحان پایا جاتا ہے جس سے مصنوعی کلچر کو تقویت مل رہی ہے۔ اِس کے نتیجہ میں طاقت ور کا کلچر اور کمزور کا کلچر معاشرے میں افراد کو ایک دوسرے سے دُور کرتا جا رہا ہے۔

Paulo Coelho نے UN News Centre کو دیے گئے، ایک انٹرویو میں کلچر اور معاشی و سیاسی رُکاوٹوں سے متعلق کُچھ کہا تھا:

> ''کلچر لوگوں کو ایک دوسرے کو بہتر انداز سے سمجھنے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ اگر لوگ واقعی ایک دوسرے کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں تو معاشی اور سیاسی رُکاوٹوں پر قابو پانا قدرے آسان ہو جاتا ہے، یہ اُسی صورت میں ممکن ہے، اگر وہ یہ جان لیں کہ اُن کے قُرب و جوار میں بسنے والے لوگ بھی اُنھی کی طرح ہیں اور اُن کے مسائل بھی ویسے ہی ہیں۔''(۱۱)

ڈاکٹر سلیم اختر سیاسی حالات کو کلچر کی تشکیل کے سلسلے میں اہمیت دیتے ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے، اُنھوں نے برصغیر کی نوآبادیاتی صورتِ حال کے تحت کلچر کے پس منظر پر بھی خاصی توجہ سے تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے انگریزوں کی عمل داری کا بھی نہایت حسن و خوبی سے تجزیہ کیا ہے اور اکبرالہ آبادی کے مزاحمتی رویے کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ سرسید کے مفاہمتی رویے کو بھی نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس طرح انھوں نے سرسید کے حوالے سے حکمرانوں کے کلچر کی اہمیت کو بھی آئینہ کیا ہے اور فاتحین اور مفتوحین کی ثقافتی صورتِ حال کو بھی سرسید دور کے سیاق و تناظر میں واضح کیا ہے۔ وہ تمام عناصر و عوامل جو کلچر کی تشکیل و تعمیر میں معاون ہوتے ہیں یا پھر اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ دراصل کلچر کی تشکیل میں سیاست، معیشت، فنونِ لطیفہ (آرٹ) اور سیاسی صورتِ حال کو بھی نہایت اہم تصور کرتے ہیں۔ وہ عناصر خواہ سیاسی ہوں یا معاشی۔ اُن عناصر و عوامل کے ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر غلام اور فاتح اقوام کے نفسیاتی اور ثقافتی عناصر کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دراصل کلچر کی تشکیل اور فروغ میں سیاسی حالات اساسی کردار ادا کرتے ہیں۔ حکومت اور اقتدار کی وجہ سے حکمران قوم بھی افضل اور اُن کا کلچر بھی قابلِ تقلید قرار پاتا ہے۔ غلام قوم مضمحل قومی قویٰ کی بنا پر حکمران تو نہیں بن سکتی، وہ اُن کی مانند اقتدار تو حاصل نہیں کر سکتی، لیکن وہ کم از کم اپنے آقاؤں کے نقش قدم پر تو چل سکتی ہے۔ خواہ وہ اپنے آقاؤں سے متنفر ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ اُن سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد بھی کر رہے ہوں، لیکن جہاں تک عوام کی ذہنی مرعوبیت کا تعلق ہے تو وہ اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ آج کے دور میں اب حکومت اور غلامی کے انداز بھی تبدیل ہو چکے ہیں اور چند ممالک سے قطع نظر باقی تمام دنیا آزاد ہے۔ اس لیے اب غلامی سیاسی نہیں ذہنی ہوتی ہے۔ اس ذہنی غلامی میں بڑھتے ہوئے ذرائع نقل و حمل سے اور بھی زیادہ اضافے کے امکانات ہوتے ہیں۔''(۱۲)

کلچر، سوسائٹی کی شخصیت اور پہچان کا درجہ رکھتا ہے۔ دُنیا کے وہ خطّے جن کی تاریخ ہزار سال پرانی ہے، مثلاً برِصغیر پاک و ہند، وہاں کلچر میں تنوع اور ثقافتی رنگینیاں بیان کرنے پر بھی ناقابلِ بیان کیفیت پر منتج ہوتی ہیں۔ یہاں بیرونی لوگ آتے رہے، حکومت کرتے رہے اور مقامی کلچر پر اثر انداز ہوتے رہے، یعنی کلچر بیرونی اثرات فرحت افزا

کیفیات اور سرشاری کے عالم میں نمو پاتا رہا اور اخذ و انجذاب سے اکتساب کرتا رہا جو مذکورہ کلچر کے نامیاتی ہونے کا ثبوت ہے۔ یہی نامیاتی جلو تہذیب و ثقافت کی حرکیات کو نامیاتی کُل کی حیثیت عطا کرتا رہتا ہے، لیکن دوسری جانب مذکورہ نامیاتی صورتِ حال کے باوصف معاشرے میں کلچر کو بیرونی اثرات سے محفوظ بنانے کی فکر بھی رواں دواں رہتی ہے، یہ اُسی طور ممکن ہو پائے گا، اگر کوئی معاشرہ دُنیا کے تمام معاشروں سے قطع تعلق کر کے اپنے نام نہاد استحکام کے خول میں مقید ہو جائے جو اس تجارتی منڈی والی عالم گیر سطح پر قطعاً ممکن نہیں ہے۔ دُنیا کے کسی معاشرے کا کلچر اور اُس کا ادب اور کلچر کی عمارت مقامی یا اندرونی (Indigenous) طور پر اُستوار کرتے ہیں۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر شمیم حنفی لکھتے ہیں:

> ''ہر زندہ تہذیب اپنے دروازے تمام سمتوں میں کُھلے رکھتی ہے۔ بیرونی عناصر اور اثرات سے اپنے آپ کو ہمیشہ بچائے رکھنے کی کوشش اور اس کوشش کے تحت اپنی فکری اور معاشرتی گھیرے بندی کا مطلب ہے، اپنی تہذیب کے استحکام کی طرف سے ایک طرح کی خوف زدگی اور اپنے تئیں ایک چُھپی ہُوئی بے اعتمادی میں مبتلا ہونا؛ یہ رویہ ہماری ادبی روایت کے مزاج سے ذرا بھی مناسبت نہیں رکھتا۔'' (۱۳)

کلچرل شناخت کی اصطلاح عموماً کسی خاص گروہ کی کسی مخصوص کلچر سے وابستگی کو ظاہر کرتی ہے۔ کلچرل شناخت روایات کے ایسے مجموعے کی عکاسی کرتی ہے جو وقت کے ساتھ لوگ اختیار کرتے ہیں۔ یہی خصوصیات یکساں کلچر رکھنے والے لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب کرتی ہیں اور انھی کی بنیاد پر لوگ دوسرے کلچرز سے ممتاز ٹھہرتے ہیں۔ معاشرے کا اہم رکن ہونے کی حیثیت سے فرد داخلی طور پر معاشرے سے جو بھی کُچھ حاصل کرتا ہے، وہی اُس کی کلچرل شناخت ہے۔ اسی کی بدولت افراد اپنے کلچر سے منسلک ہوتے ہیں اور دوسرے کلچر سے اجنبیت کا اظہار اس انحراف کی صورت میں کرتے ہیں۔ قوم، نسل، مذہب، تعلیم، سماجی گروہ بندی، مقامیت، روایات، ثقافتی ورثہ، زبان، ادب، جمالیات، ذوق اور رویے وغیرہ کلچرل شناخت کے اہم اجزا ہیں۔ کسی مخصوص معاشرے کے لازمی حصّے کے طور پر اپنی شناخت کا احساس اور دوسرے کلچرز سے مزاحمت کا احساس کلچرل شناخت کا خاصہ ہے۔ فرد اور معاشرے کے مابین تعلق کو کلچر کے تناظر میں سمجھنے کے لیے کلچرل فریم یا شناختی فریم کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ ایک فرد کی شناخت اور سماجی گروہ کے ساتھ اُس کا تعلق ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تضاد یا اختلاف کی صورت میں یہ تعلق اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر ناصر عباس نیّر ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری کے تناظر میں لکھتے ہیں:

> ''ثقافت، اقدار و رسمیات کا مجموعی نظام ہے جس سے کسی ایک سماجی گروہ کے تمام افراد خود کو وابستہ محسوس کرتے ہیں۔ ثقافتی وابستگی کا اثبات جسے فرد داخلی طور پر محسوس کرے، اُس کی ثقافتی شناخت ہے۔ ثقافتی شناخت میں وابستگی اور انحراف کے دوگونہ رُجحانات ہوتے ہیں۔ اپنی ثقافتی رسمیات

سے وابستگی اور دوسری ثقافتوں سے انحراف۔ یہ دونوں رُجحانات اُس وقت ایک ساتھ نمایاں ہوتے ہیں جب فرد کسی اجنبی ثقافتی دُنیا میں داخل ہوتا ہے۔ اجنبی ثقافت سے انحراف جو بڑی حد تک اپنی پہچان کے تحفظ کا ایک غیر شعوری حربہ ہوتا ہے، اپنی ثقافت سے اٹوٹ وابستگی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا ثقافتی شناخت کا پُر زور، تخیلی اثبات، ہجرت اور جلاوطنی کے دوران میں ہوتا ہے۔ دُنیا کا بیش تر بڑا ادب ہجرت اور جلاوطنی کے تجربے کی دین ہے۔ ہجرت آدمی کو اپنی اُس اصل کی دریافت کی تحریک دیتی ہے، جسے اُس کی ثقافتی روح کہنا چاہیے مگر جس کا ادراک اپنے وطن میں چین سے رہتے ہوئے نہیں ہوتا۔ آدمی کی 'اصل' کسی نہ کسی 'غیر' کے مقابل ہی ظاہر ہوتی ہے۔''(۱۴)

دُنیا کے بہت سے ممالک کو کلچر کے مسائل کا سامنا ہے اور ان میں اکثریت ترقی پذیر ممالک کی ہے، یہاں کلچر سے متعلق بنیادی مسئلہ مختلف علاقائی کلچرز کے انضمام کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ کلچر کے اسی تناظر کے پیشِ نظر فیض احمد فیض نے اپنے انگریزی مضمون Cultural Problems in Under developed Countries میں کلچرز کے انضمام سے متعلق دو مسائل کا تذکرہ اِس انداز سے کیا ہے:

''پہلا مسئلہ کلچرز کے عمومی انضمام کی صورت میں سامنے آتا ہے جس میں مختلف کلچرل پیٹرن ایک مشترک نظریاتی اور قومی بنیاد پر اکٹھے ہوتے ہیں، دوسرا مسئلہ کلچرز کے اُفقی انضمام کی شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے جس میں تعلیم کی بدولت لوگوں کو کلچر اور فکر کے اعتبار سے یکساں سطح پر لایا جائے، ان مسائل سے نبٹنے کے لیے ضروری تھا کہ نوآبادیات کی قید سے نکل کر آزادی حاصل کرنے کے بعد معیاری قسم کی سیاسی تبدیلیاں لائی جاتیں جو اس سماجی ڈھانچے میں معیاری تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتیں جو ہمارے انگریز نوآبادکار جاتے ہوئے، یہاں چھوڑ گئے تھے۔ ''(۱۵)

پاکستان بھی کلچر کے حوالے سے انھی مسائل سے دوچار ہے یا انھی بھول بھلیوں کا شکار ہے۔ اسی تناظر میں ڈاکٹر سلیم اختر کا تجزیہ بھی حقیقت پر مبنی ہے۔ انھوں نے کلچر کے جن عناصر کی نشان دہی آزادی اور اقوام کی غلامی کے تناظر میں کی ہے اور لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی سماجی زندگی کی صورتِ حال اور اس کے تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اس سے اختلاف کی گنجایش نہیں ہے۔ انھوں نے بالکل درست سمت میں لکھا ہے اور انسانوں کی غلامی میں نفسیاتی محرکات کا تجزیہ حقائق کی بنیاد پر کیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر کا نقطۂ نظر انسانی ذہن کو خالصتاً حقیقت نگاری کی طرف لے جاتا ہے۔ جہاں واقعی جسمانی غلامی کی صورتِ حال یکسر بدل گئی ہے اور ذہنی و ثقافتی غلامی کا سلسلہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے میں ٹیکنالوجی کی یلغار نے کلچر کو ایک نیا رُخ دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صدیوں سے چلی آ رہی روایات اور اقدار کو بھی تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کی مثال انٹرنیٹ کی صورت میں

دی جاسکتی ہے۔ جہاں ہر چیز privacy اختیار کر چکی ہے۔ جہاں کوئی کسی کی سلطنت میں مداخلت نہیں کر سکتا، ماسوائے اس فرد کے جو ٹیکنالوجی کا استعمال کر رہا ہے یا پھر جس نے ایجاد کی ہے۔اس طرح یورپین کلچر نے دنیا کی صورتِ حال، روایات اور اقدار کو بڑی حد تک تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔''پاکستانی کلچر'' کے ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر جس نتیجے پر پہنچے ہیں۔وہ حقیقت پر مبنی فکر کی عکاسی اور ترجمانی کا انداز اپنائے ہوئے ہے۔اس حوالے سے انھی کے نقطۂ نظر کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

> ''اصل مسئلہ یہ نہیں کہ پاکستانی کلچر کیسے وجود میں آیا بلکہ میرے خیال میں تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس ملک میں کیا واقعی پاکستانی کلچر نام کی کوئی شے موجود ہے کیوں کہ مجھے تو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے: ہر چند کہیں کہ ہے،نہیں ہے۔''(۱۶)

کلچر کی تشکیل میں ڈاکٹر سلیم اختر کا ایک خاص نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ سیاسی حالات کلچر کے فروغ میں نہایت اہم کردار کے حامل ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی وہ کسی بڑی معیشت کے معاشی طور پر کمزور ممالک کی ثقافتوں پر براہِ راست اثرات کی جانب بھی توجہ دلاتے ہیں اور اس حوالے سے امریکہ کے تعاون سے دنیا کے نصف سے زیادہ ممالک کے بجٹ کو متوازن کرنے کی مثال حوالۂ قلم کرتے ہیں اور پاکستان پر امریکہ کے سیاسی سطح پر اثرات اور سیاسی امور میں مداخلت کی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی مختلف شعبہ ہائے زندگی میں امریکی اثرات کو بھی واضح انداز سے پیش کرتے ہیں۔خاص طور سے لباس اور موسیقی کے شعبے کی جانب اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرواتے ہیں۔دنیا کی ثقافتوں کو جس شدت کے ساتھ امریکی ٹیکنالوجی نے متاثر کیا ہے اور ذہن و فکر کو جس انداز سے تبدیل کیا ہے یا کرنے میں سرگرمِ عمل ہے۔اس سے پاکستان میں کلچر کی صورت حال پر بھی گہرے اور دُوررس اثرات مرتب ہوئے ہیں۔امریکہ جس انداز سے دیگر ممالک کے سیاسی امور میں مداخلت کر رہا ہے، وہ بالخصوص تیسری دُنیا کے ممالک میں فیڈریشن کے تصور پر بھی کاری ضرب لگا رہا ہے اور علاقائی ثقافتوں کے فروغ پر تمام تر قوتیں صرف کر رہا ہے۔بدلتی ہوئی عالم گیریت کی صورتِ حال کے آگے کوئی بندھ باندھنے کی صلاحیت سے کم و بیش پاکستان تو مالا مال نہیں ہے۔پاکستان کے تناظر میں مذکورہ صورتِ حال خاص طور سے توجہ طلب ضرور ہے۔پاکستان میں مختلف قومیتوں اور نسلوں کے لوگ صدیوں سے آباد چلے آرہے ہیں، جو مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے کے سبب اپنا اپنا تشخص رکھتے ہیں،جنھیں مذکورہ قومیتوں کی امتیازی صفات یا خصوصیات کہا جاسکتا ہے۔پھر یہ کہ مذکورہ مختلف قومیتیں یکجا انداز سے پاکستانی قومیت اور تہذیب وثقافت کی تکمیل کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔پاکستان میں کلچر کی ہمہ گیری اور بوقلمونی کے باوجود اس کی یکجہتی اور وحدت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر سلیم اختر کا تہذیب و ثقافت کے مباحث کے ضمن میں اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے اُن اصطلاحات کا استعمال نہیں کیا جن کے مفاہیم میں ابہام اور پیچیدگی کے عناصر موجود ہیں۔انھوں نے کلچر کی اصطلاح کا استعمال واضح مفہوم میں کیا ہے اور کلچر کی تعبیرات و توضیحات بھی بڑی وضاحت کے ساتھ کی ہیں۔انھوں نے کلچر کو

ایک پیچیدہ کُل کے طور پر ہی لیا ہے جس میں ایک سوسائٹی کے افراد کے اعتقادات،فنون لطیفہ (آرٹ)،علم، اخلاقیات،قانون،رسومیات،رواج،آدرش اورافرادمعاشرہ کی عادتیں،رویےاورصلاحیتیں سبھی عناصروعوامل شامل ہیں جوایک فرداپنے سماج سے اکتساب کرتا ہے۔ڈاکٹرسلیم اختر نے کلچرکوداخلی واندرونی صورتِ حال کے حوالے سے پیش کیا ہے جس میں انسانی برتاؤ کے تمام سانچے شامل ہیں جو پوشیدہ علامات کوظاہر کرتے ہیں۔مذکورہ علامتیں انسانی طبقات یا گروہوں کے خاص کارناموں پر مشتمل ہوتی ہیں۔مذکورہ علامتوں کے ذریعے انسانی ہُنر اورصنّاعی کے کمالات اورنمونے متشکل ہوتے ہیں۔کلچراپنی اصل وابعاداورنہادونوعیت کے لحاظ سے اُن افکار سے تشکیل پاتا ہے جوتاریخی تناظرات میں جنم لیتے ہیں اوراقداربھی انھی افکار سے تشکیل پاتی ہیں۔کلچرکانظام انسانی اعمال وافعال کوایک طرف تو متاثر کرتا ہےتو دوسری طرف اعمال وافعال کی پیداوارکومہمیز عطا کرتا ہے۔کلچرایک ایسا سماجی رویہ ہے جس میں معیارات کوخاص طور سے اہمیت حاصل ہوتی ہے۔مذکورہ معیارات میں سبھاؤ اور برتاؤ کے وہ تمام اطوارشامل ہیں جوایک آئیڈیالوجی سے ماخوذ ہوتے ہیں۔کلچر میں زندگی کی تفریحات اورفن وغیرہ سبھی عناصروعوامل شامل ہیں،جہاں سوسائٹی کی اقداربھی کارفرماہوتی ہیں۔مذکورہ اقدارآفاق گیراُصولوں (principles) کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کی ضروریات کی بھی آئینہ داری کرتی ہیں۔اسی طرح وہی کلچراپنا تحفظ کرنے اورمنتقلی کےعمل کویقینی بناتا ہے جس میں پیش قدمی کا سامان ہوتا ہے جوجدیدترین ٹیکنالوجی کا بھی حامل ہوتا ہے۔

ڈاکٹرسلیم اختر اُردو کےاُن معدودے چندناقدین میں شامل ہیں جنھوں نے کلچرکی تعبیرات کےحوالے سے سائنٹیفک اندازنقدونظر سے کام لیا ہے۔انھوں نے کلچرکی تفہیم بھی سائنٹیفک نقطۂ نظر سے کی ہے۔کلچر کے مباحث کےضمن میں اُن کی تحریروں میں وضاحت کا پہلونمایاں انداز سے اجاگر ہوا ہے۔اس کے پیچھے اُن کے وسعتِ مطالعہ اوروسیع النظری کاعمل دخل دیکھنے کوملتا ہے۔انھوں نے کلچر کےحوالے سے جتنی بھی تحریریں حوالۂ قلم ہیں،اُن میں پیچیدگی اورابہام کے بجائے واشگافیت اورشفافیت کےعناصراُن کی عالمانہ بصیرت وادراک کا بین ثبوت ہیں۔

ڈاکٹرسلیم اختر کےقلم کا کرشمہ یہ ہے کہ اُنھوں نے کلچراورسویلیزیشن ایسی اصطلاحات کے بنیادی مفاہیم اورحدودوامتیازات کوبھی نہایت حسن وخوبی سے واضح کیا ہے۔انھوں نے مذکورہ اصطلاحات کےحدودوامتیازات کو بھی نہایت جامع انداز سے واضح کیا ہےاوران سے متعلق ابہام پربھی اپنی رائے حوالۂ قلم کی ہے۔فیض صاحب نے کلچراورسویلیزیشن کومعنوی سطح پر باہم آمیز کردیا ہے، جب کہ ڈاکٹرسلیم اختر نے دونوں اصطلاحات کے حدودوامتیازات کونہایت عمدہ انداز سےصراحت کےساتھ پیش کیا ہے۔اس ضمن میں وہ فیض احمدفیض کی پیش کردہ کلچرکی تعریف (۱۷) کی صراحت ووضاحت کرتے ہوئے،اپنے ایک مضمون''کلچرکی لہریں''میں لکھتے ہیں:

> ''یہ تعریف خاصی وسیع ہےاوراس لیےاس قطعیت سے عاری ہے جوایک تعریف کا خاص وصف ہوتی ہے کہ غیرضروری اورفروعی عناصر کے اخراج سے حدودمتعین ہوتی ہیں۔اس ضمن میں

Culture اور Civilization کے مفاہیم میں جب تک امتیاز نہ کیا جائے، بات نہ بنے گی۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ فیضؔ صاحب بعض اوقات مذکورہ اصطلاحات کو مترادف کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ زندگی کو اگر ایک قطعۂ اراضی سے تشبیہ دیں تو اس پر تعمیر ہونے والا مکان تہذیب ہوگا جب کہ اس کی نقاشی اور تزئین وآرایش کو کلچر قرار دیا جا سکتا ہے۔''(۱۸)

ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے اس پیچیدگی اور ابہام کو نہایت سہولت سے حل کر دیا ہے، جہاں کلچر اور سویلیزیشن کے حدود وامتیازات کو واضح نہیں کیا جاتا۔انھوں نے کلچر کو داخلی یا اندرونی قرار دیا ہے جس کا اظہار افرادِ معاشرہ ذہنی وفکری سطح پر تخلیقی صورت میں کرتے ہیں اور یہ لہر زیریں سطح پر ہوتی ہے جب کہ سویلیزیشن کو انھوں نے بیرونی وخارجی ہی تصور کیا ہے، جس کا اظہار کسی بھی سماج میں ٹھوس شکل میں ہی ہوتا ہے۔ انسانی فکر کا اظہار جب خارجی یا بیرونی سطح پر ہوتا ہے تو اسے سویلیزیشن ہی تصور کیا جاتا ہے۔ مذکورہ مباحث میں اُردو کے اکثر ناقدین الجھے ہوئے نظر آتے ہیں جب کہ ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے کلچر اور سویلیزیشن ایسے ادق مباحث کو نہایت عمدگی کے ساتھ واضح کیا ہے۔ انھوں نے اس پیچیدگی اور ابہام کو بھی دُور کیا ہے جو کلچر اور سویلیزیشن ایسی اصطلاحات کے ضمن اکثر پیدا کر دیا جاتا ہے یا جسے عام فہم بنانے کی اکثر ناقدین کاوش ہی نہیں کرتے۔ ڈاکٹر سلیم اختر اُردو میں نفسیاتی تنقید کا ایک اہم نام ہیں، لیکن جس طرح ژاک لاکاں نے سگمنڈ فرائڈ کی نفسیاتی تھیوری کو ادبی متون کی تعبیرات کے لیے نئے فلسفیانہ انداز سے استعمال کیے، ڈاکٹر سلیم اختر ژاک لاکاں کی بہ نسبت کہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ البتہ کلچر اور سویلیزیشن کے مباحث کے ضمن میں وہ ایک ماہر بشریات اور ماہر سماجیات کے طور سے ان کے ایک اور ممتاز اور نمایاں وصف سے بھی قارئین متعارف ہوتے ہیں اور مذکورہ مباحث کو سمجھنے میں اُن سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر اپنے مضمون ''کلچر کی لہریں'' میں تین بنیادی مباحث پر قلم اُٹھایا ہے، جس میں تہذیب اور کلچر کا فرق، جبلّتیں اور کلچر رفرد اور کلچر اور ''تہذیب اور کلچر کی اساس'' شامل ہیں۔ تہذیب اور کلچر کے فرق کو مزید واضح کرنے کے لیے لکھتے ہیں:

''تہذیب اور کلچر کے فرق کو دریا اور اُس کی لہروں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ تہذیب ایک تسلسل کا نام ہے اور یہ دریا کے بہاؤ کی مانند ہے۔ ایسا دریا جس کا منبع کہیں دُور ماضی بعید کی تاریخ میں نہاں ہے اور اسی دریا کی مختلف مقامات پر اُبھرتی اور ڈُوبتی لہریں کلچر ہیں، لہٰذا یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ کلچرل پیٹرن ہیں۔ اِس دریا سے نہریں نکلتی ہیں اور اس میں نئے دریا بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ مختلف تہذیبیں اور کلچرل اثرات ہیں۔ دریا کے طویل کنارے پر آباد مختلف بستیاں اپنے اپنے طور پر پانی سے استفادہ تو کرتی ہیں، لیکن یہ پانی یا اس میں شامل ہونے والے دیگر دھارے بالعموم ان کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں، نہ ہی وہ اس طویل ترین دریا کے تمام پانی کو استعمال

کرتے ہیں اور نہ اس سے وابستہ تمام اِمکانات کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔ یہ ناممکن ہوگا۔ان کے حصّے میں تھوڑا سا پانی اور چند لہریں آتی ہیں، وہ اس پر فخر تو کر سکتے ہیں، لیکن اتنے طویل سفر کے بعد اس دریا کا پانی ان تک پہنچا ہے، لیکن ان کے حصّے میں تمام دریا نہیں آتا۔(۱۹)

''قدغنوں کے جمعہ بازار میں کلچر کا میلہ'' ان کا نہایت دل چسپ تنقیدی مضمون ہے اور اس تناظر میں ڈاکٹر سلیم اختر اپنے مافی الضمیر اور نقطۂ نظر کا اظہار کرتے ہیں کہ کلچر کی اساس میں چار علوم کا سب سے زیادہ حصّہ شامل رہا ہے، جن میں مابعد الطبیعیات، عقلیت، تخلیقیات اور نفسیات شامل ہیں۔ یہ چاروں انفرادی طور پر سوسائٹی کے کلچر پر اثر انداز ہونے کے ساتھ ساتھ خود ایک دوسرے میں بھی پیوست دکھائی دیتے ہیں۔ اِس ضمن میں اُن کی رائے ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

''کلچر کی اساس، تشکیل اور اُستواری میں چار عناصر فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ مابعد الطبیعیات (مذہب، عقائد، نظامِ اخلاق تصوف)، عقلیات (فلسفہ، منطق، سائنس)، تخلیقیات (ادب، شعر، فنونِ لطیفہ)، نفسیات (انفرادی، اجتماعی، طبقاتی) ان کے جُدا گانہ تذکرے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سب ہَوا بند خانوں میں مقید، آزاد، خودکار اور خودمختار کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ اس کے برعکس یہ سب ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔''(۲۰)

کسی محرک کے جواب میں ایسا ردِعمل جو انسان کے رویے میں پیدائشی یا فطری یا حیاتیاتی طور پر ظاہر ہو، جبلّت کے زمرے میں آتا ہے، جبلّت کے برعکس کلچر اُن رویوں کا مجموعہ ہے جو انسان نے وقت کے ساتھ سیکھے ہیں، جس طرح انسان اپنی زندگی میں حیاتیاتی جبلّتوں سے آزاد نہیں ہوسکتا، بالکل اسی طرح سماجی اعتبار سے کلچر سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ جبلّتیں انسان کے وُجود کا لازمی حصّہ ہوتی ہیں۔ جبلّتوں کی تسکین کے لیے اپنایا جانے والا طرزِ عمل خود یہ خود کلچر کا لازمی جُزو بن جاتا ہے، جب بھی کسی معاشرے کی خوبیوں اور خامیوں کی بات ہوتی ہے تو کلچرل سائیکولوجی کا کردار سامنے آجاتا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اپنے اور دوسروں کے کلچرز کا موازنہ کرتے ہوئے جانبدار ہوتے ہیں۔ اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ لوگ سماجی (فکر و عمل) اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے جبلّت اور کلچر یا فرد اور کلچر کے تناظر میں کُچھ انداز سے صراحت کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

''زمان و مکان و تاریخ کے عمل کے کسی ایک لمحے میں جنم لینے والا فرد اپنی جبلّتوں کی مانند اپنے ملک کی تہذیب اور معاشرے کے کلچر سے فرار اختیار نہیں کر سکتا۔ جبلّتیں اس کا وُجود ہیں تو کلچر اُس کا خارج، لیکن جبلّتوں کی مانند وہ آنکھیں بند کر کے کلچر کو اس کی تمام متنوع صورتوں اور اس سے وابستہ جہت در جہت کیفیات کو معمولی طور پر قُبول نہیں کر سکتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جبلّت اور کلچر برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ کلچر کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جبلّتوں کے کُچھ تقاضوں میں

ترمیم و تنسیخ کی جاتی ہے تو کچھ Sublimate کرنا پڑتا ہے، بعض Taboos کا احترام کرنا پڑتا ہے تو بعض کو توڑا جاتا ہے۔ اسی لیے تو کسی بھی کلچر میں تالاب کے پانی ایسی یکسانیت نہیں ملتی بلکہ اس میں تغیر کی لہریں اور دائرے ملتے ہیں اور یہی کلچر کے مختلف روپ، جہات یا پیٹرن ہیں جو اپنی مجموعی صورت میں Mosiac ہیں۔''(۲۱)

کلچر اور سویلیزیشن میں تعلق کو سمجھنے کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کلچر کسی سوسائٹی کا ذہن ہے تو سویلیزیشن اُس کا جسم، کلچر اگر سوسائٹی کی روح ہے تو جسم اُسے سویلیزیشن ہی عطا کرتی ہے، کلچر اگر باطن ہے تو آشکارا اُسے سویلیزیشن ہی کرتی ہے، کلچر اگر داخلی خصوصیات کا نام ہے تو سویلیزیشن اُس کے لیے خارج کے لبادے کا انتظام کرتی ہے، یعنی دونوں کی بنیاد ایک دوسرے سے مشروط ہے اور سوسائٹی اور افرادِ معاشرہ ہیں، جن کا کلچر ہوگا، جن کی سویلیزیشن ہوگی۔ ان میں پایا جانے والا فرق بنیادی طور پر اُس تنوع اور رنگا رنگی کو ظاہر کرتا ہے جو کسی بھی معاشرے کی تہذیب و ثقافت کا حسن ہوتا ہے۔ کلچر سے متعلق ڈاکٹر شمیم حنفی کی رائے نہایت اہمیت کی حامل ہے، جس میں وہ یہ کہتے ہیں کہ'' ثقافت، سماجی نظام نہیں بلکہ اُس نظام کے فکری جوہر اور ذوقِ جمال کا استعارہ ہے۔'' (۲۲) یہاں معاشرے کی قدیم تہذیب کا ذکر بھی ضروری ہے جس کے بِنا اُس کے موجود نقوش کبھی واضح نہیں ہو پاتے۔ احمد ندیم قاسمی کے نزدیک'' کسی بھی ملک کی تہذیب کو لے لیجیے، اس میں ملک کی قدیم ترین تہذیب کی جھلکیاں ضرور موجود ہوں گی۔''(۲۳)

اس رنگا رنگی، بوقلمونی اور تنوع پر مبنی صورتِ حال کی بنیاد وحدت پر قایم ہونے کے باعث لوگ ایک دوسرے سے منسلک رہتے ہیں، بہ صورتِ دیگر معاشرے میں انتشار (انارکی) پیدا ہو جاتا ہے۔ اس صورتِ حال کو ڈاکٹر سلیم اختر نے پرزم کی رفلیکشن والی خصوصیت کی مثال کے ساتھ واضح کیا ہے۔ اِس ضمن میں اُن کی رائے ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

''ہزار تنوع کے باوجود بھی تہذیب اور کلچر کی اساس ایک ہی ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔ اس تغیر اور تنوع کو Prism میں سے نکلنے والی شعاع کے سات رنگوں کی مانند سمجھنا چاہیے۔ کلچر کی سطح پر یہی وحدت میں کثرت کا عمل کہلائے گا، جب تہذیب اور کلچر کی یکساں اساس نہ رہے اور ان میں دوئی کا اظہار ہو تو عملی زندگی میں تضادات جنم لیتے ہیں۔ اس صورتِ حال کی، اپنا ملک بہت اچھی مثال پیش کرتا ہے۔ ہم اسلامی تہذیب کے داعی ہیں، لیکن ہمارا کلچر مغرب سے مستعار نہیں ہے۔''(۲۴)

مختصر یہ کہ تہذیب و ثقافت کے تناظر میں ڈاکٹر سلیم اختر کے تصورات اُن کے تحریر کردہ مضامین سے نمایاں انداز سے جلوہ گر ہوئے ہیں۔ مذکورہ مضامین میں '' پاکستانی کلچر کا مسئلہ''، '' کلچر کی لہریں''، '' قوم، زبان اور کلچر''، '' ڈُگڈگی اور چنگیز''، '' قذغنوں کے جمعہ بازار میں کلچر کا میلہ'' اور'' پاکستان اور ایران کے ثقافتی و تخلیقی روابط'' خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اول الذکر چار مضامین اُن کی کتاب'' ادب اور کلچر'' میں شامل ہیں جب کہ مؤخر الذکر دو

مضامین اُن کے ''مجموعہ ڈاکٹر سلیم اختر (تنقیدی و تحقیقی مقالات)'' میں شامل ہیں۔ ''پاکستانی کلچر کا مسئلہ'' میں کلچر اور قومی تشخص کا تعلق اور مذہب، علاقائی کلچر اور مرکزی کلچر، کلچر کی تشکیل اور سیاسی حالات اور برصغیر کا کلچر جیسے مباحث شامل ہیں۔ ''کلچر کی لہریں'' کے بنیادی مباحث میں تہذیب اور کلچر میں فرق، جبلّتیں اور کلچر، فرد اور کلچر اور تہذیب اور کلچر کی اساس شامل ہیں۔ ''قوم، زبان اور کلچر'' کے ضمن اُنھوں نے قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا مسئلہ اور Cultural Pocket اور Patterns of Culture جیسے موضوعات خاص طور سے اُن کی توجہ کا مرکز و محور رہے ہیں۔ ''ڈُگڈگی اور چنگیر'' میں اُنھوں نے کلچر سے شغف کا اظہار، عوامی کلچر اور گاؤں اور شہر کے کلچر کو موضوعِ بحث بنا کر کیا ہے۔ ''قدغنوں کے جمعہ بازار میں کلچر کا میلہ'' اُن کا ایک مختلف انداز کا حامل مضمون ہے، جس میں اُنھوں نے پاکستانی سیاق و تناظر میں کلچر کے بنیادی مباحث کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے کلچر کی اساس کو بھی اپنے مخاطبے کا موضوع بنایا ہے، جس میں اُنھوں نے مابعدالطبیعیات، عقلیات اور نفسیات جیسے نہایت اہم علوم کو کلچر کی اساس کے لیے بہت اہم قرار دیا ہے۔ ''پاکستان اور ایران کے ثقافتی و تخلیقی روابط'' کے سیاق و تناظر میں کچھ انداز سے لکھتے ہیں:

> ''ایران اور پاکستان کے ثقافتی اور تخلیقی روابط کا سُراغ لگانا، اِس لیے آسان ہو جاتا ہے کہ جغرافیائی قُرب کے ساتھ ساتھ فارسی اور اسلام کے اشتراک کی وجہ سے دونوں میں جو ثقافتی یگانگت دیکھنے کو ملتی تھی، اُس بنا پر برصغیر کو بعض اُمور اور بالخصوص تخلیقات کے لحاظ سے ایرانی ثقافت کی توسیع قرار دیا جا سکتا ہے۔''(۲۵)

دُنیا کے کسی بھی خطے کا کلچر دوسرے خطّوں کے کلچرز کے اثرات قُبول نہ کرے یا کسی دوسرے کلچر پر اپنے اثرات مرتسم نہ کرے، ایسا ممکن نہیں۔ ہاں مختلف کلچرز کے ایک دوسرے پر اثرات کم یا زیادہ ضرور ہو سکتے ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی اور سفری سہولیات میں انقلاب کے باعث دُنیا گلوبل ویلج سے کُچھ زیادہ ہی سُکڑ گئی ہے۔ اس صورتِ حال کے اثرات تجارتی حوالے سے بھی دُنیا کی معیشتوں پر مرتب ہوئے جو نمایاں طور پر عالمی سرمائے کی شکل میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ دُنیا کے مختلف خطوں کے کلچرز بھی ایک دوسرے کو واضح طور پر متاثر کرتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ کلچر، خواہ کتنا ہی بیرونی اثرات کے زیرِ اثر رہے لیکن اُس کی بنیادیں ہمیشہ مقامی ہوتی ہیں، جن پر کسی بھی خاص خطّے کے کلچر کی عمارت اُستوار ہوتی ہے، جس سے مخصوص سماج کی شناخت قایم ہوتی ہے۔ کلچر کے اجزائے ترکیبی اور بنیادی اوصاف و خصوصیات کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی سوسائٹی کا کلچر داخلی اور بیرونی اثرات رکھنے کے ساتھ ساتھ مقامی اثرات و تعاملات کا بھی حامل ہوتا ہے۔ اب اس بات سے یہ مفہوم مراد نہیں لے سکتے کہ برصغیر کے کلچر پر چُوں کہ ایرانی اثرات نمایاں تھے، لہٰذا یہ ایرانی کلچر کی توسیع ہے، یہاں ڈاکٹر سلیم اختر کی متذکرہ بالا رائے

سے اختلاف کی گنجایش بہر طور نکلتی ہے کیوں کہ کلچر کی بنیادیں تو بہر حال مقامی ہی ہوتی ہیں، جن میں سب سے بڑا عنصر علاقائی یا اُردو زبان ایک سامنے کا مظہر ہے، باوجود اس کے کہ اُردو ادبیات اور زبان پر فارسی کے نمایاں اثرات ہیں، لیکن اُردو کے صرف ونحو کے اُصول تو مقامی ہیں، قواعد تو بیرونی نہیں ہے، وہ تو مقامی عناصر اور مقامی اصوات سے عبارت ہے۔ اُردو شعری اصناف پر ایرانی کلچر اور سوسائٹی کے اثرات آغازِ سفر میں تو ضرور مرتب ہوئے، لیکن بتدریج کم ہوتے گئے۔ واضح رہے کہ کسی بھی سوسائٹی کے زبان و ادبیات جب تشکیلی دور سے گزر رہے ہوتے ہیں تو اُن پر فاتحین کے ذہن وفکر اور کلچر کے اثرات سے مفر ممکن نہیں۔

حواشی:

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر ادب اور کلچر (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)، ص ۳۰۹۔

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر (کراچی: مشتاق بک ڈپو، ۱۹۶۴ء)، ص ۴۹۔

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور کلچر، ص ۳۱۰۔۳۱۱۔

۴۔ شمیم حنفی، ڈاکٹر، اُردو کا تہذیبی تناظر اور معاصر تہذیبی صورتِ حال (لاہور: شعبہ اُردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، ۲۰۱۰ء)، ص ۸۔

۵۔ انتظار حسین، ''قومی تشخص اور ثقافت''، مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین مرتبہ اشتیاق احمد (لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۷ء)، ص ۳۴۹۔

۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور کلچر، ص ۳۱۰۔

۷۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، ''پاکستانی ثقافت کی شناخت''، مشمولہ ادبی مذاکرے، مرتبہ: شیما مجید (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء)، ص ۶۸۳۔

۸۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، قومی ثقافت کی تلاش میں، مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، مرتبہ: اشتیاق احمد، ص ۱۶۷۔

۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور کلچر، ص ۳۱۲۔ ۳۱۳۔

۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور کلچر، ص ۳۱۳۔ ۴۱۴۔

11. https://paulocoelhoblog.com/2015/03/13/intercultural-dialogue/

اصل متن ملاحظہ ہو:

"Culture makes people understand each other better. And if they understand

each other better in their soul, it is easier to overcome the economic and political barriers. But first they have to understand that their neighbours are, in the end, just like them, with the same problems, the same questions".

۱۲۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،ادب اور کلچر،ص۳۱۴۔

۱۳۔ شمیم حنفی،ڈاکٹر،ادب، ادیب اور معاشرتی تشدد (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،۲۰۰۸ء)،ص۱۷۳۔

۱۴۔ ناصر عباس نیر،ڈاکٹر ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری (لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء)،ص۲۸۔

15. Faiz, Ahmad Faiz, *Culture and Identity* (Karachi, Oxford University Press, 2005), P.34

اِس کتاب میں شامل اُن کا مضمون Cultural Problems in Underdeveloped Countries کا اصل متن ملاحظہ ہو:

"One basic cultural problem which faces many of these countries, therefore, is the problem of cultural integration, Vertical integration which means providing a common ideological and national basis for a multiplicity of national cultural patterns and horizontal integration which means educating and elevating the entire body of their peoples to the same cultural and intellectual level. This means that the qualitative political change from colonialism to independence must be followed by a similar qualitative change in the social structure left by colonialism".

۱۶۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،ادب اور کلچر،ص۳۱۶۔

۱۷۔ فیض احمد فیض،ہماری قومی ثقافت (کراچی:ادارۂ یادگارِ غالب،۱۹۷۶ء)،ص۹۰۔

۱۸۔ فیض احمد فیض کی پیش کردہ کلچر کی تعریف ملاحظہ ہو:

’’پورے طریقۂ زندگی کو کلچر کہتے ہیں،جس میں سب کچھ ہی شامل ہوتا ہے۔کلچر کی اثر اندازی ذہنی طور پر سے بھی ہوتی ہے،عقائد واقدار کے ذریعے بھی،عملی طور سے بھی،زندگی کے آداب ورُسوم سے اور زندگی کے روزمرہ کا جو محاورہ ہوتا ہے، اُس کے ذریعے بھی۔اس میں اجتماعی زندگی کی ظاہری اور باطنی تفاصیل دونوں شامل ہوتی ہیں۔فنون، ادب، موسیقی، مصوری، فلم وغیرہ اسی کلچر یا Way of Life کے ترشے ہوئے اور منجھے ہوئے اجزا ہوتے ہیں۔‘‘

۱۹۔ ایضاً،ص۳۱۹۔۳۲۰۔

۲۰۔ سلیم اختر،ڈاکٹر، مجموعہ ڈاکٹر سلیم اختر (لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۶ء)،ص۳۷۲۔

۲۱۔ سلیم اختر،ڈاکٹرادب اور کلچر،ص۳۲۰۔

۲۲۔ شمیم حنفی،ڈاکٹر، جدیدیت کی فلسفیانہ اساس (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۷ء)،ص ۲۶۹۔

۲۳۔ احمد ندیم قاسمی، پاکستانی تہذیب کی صورت پذیری،مشمولہ:سرسیدین: پاکستانی ادب، جلداول(راولپنڈی: فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج، ۱۹۸۱ء)،ص۱۲۴۔

۲۴۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،ادب اور کلچر،ص۳۲۱۔

۲۵۔ سلیم اختر،ڈاکٹر، مجموعہ ڈاکٹر سلیم اختر ،ص۳۸۵۔

مآخذ:

احمد ندیم قاسمی۔''پاکستانی تہذیب کی صورت پذیری''،مشمولہ:سرسیدین: پاکستانی ادب، مرتبہ رشید امجد، جلداول۔راولپنڈی:فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج، ۱۹۸۱ء۔

انتظار حسین۔''قومی تشخص اور ثقافت''،مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین مرتبہ اشتیاق احمد۔لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۷ء۔

جمیل جالبی،ڈاکٹر۔پاکستانی کلچر۔کراچی: مشتاق بک ڈپو، ۱۹۶۴ء۔

سلیم اختر،ڈاکٹر۔ مجموعہ ڈاکٹر سلیم اختر ۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء۔

سلیم اختر۔ڈاکٹر ادب اور کلچر۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء۔

شمیم حنفی،ڈاکٹر۔ جدیدیت کی فلسفیانہ اساس ۔نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۷ء۔

شمیم حنفی،ڈاکٹر۔ادب، ادیب اور معاشرتی تشدد ۔نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۰۸ء۔

شمیم حنفی،ڈاکٹر۔اُردو کا تہذیبی تناظر اور معاصر تہذیبی صورتِ حال ۔لاہور: شعبۂ اُردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، ۲۰۱۰ء۔

عبادت بریلوی،ڈاکٹر۔''پاکستانی ثقافت کی شناخت''،مشمولہ ادبی مذاکرے ،مرتبہ: شیما مجید۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء۔

فیض احمد فیض۔ہماری قومی ثقافت۔کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۷۶ء۔

محمد علی صدیقی،ڈاکٹر،قومی ثقافت کی تلاش میں،مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین،مرتبہ: اشتیاق احمد

ناصر عباس نیر،ڈاکٹر۔ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔

Faiz, Ahmad Faiz, *Culture and Identity.* Karachi, Oxford University Press, 2005.

https://paulocoelhoblog.com/2015/03/13/intercultural-dialogue/